Fikr-o-Nasar (Islamabad) 43:2 (2005)

فکر و نظر............ اسلام آباد　　　　جلد: ۴۳　　شمارہ: ۲

مقاصدِ شریعت اور معاصر اسلامی فکر، وقائع اور امکانات

محمد نجات اللہ صدیقی ☆

طریقۂ بحث کی تلاش

اس مقالہ میں اس بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ گذشتہ نصف صدی سے دنیائے اسلام کو جن نئے حالات سے سابقہ ہے ان سے نبرد آزما ہونے کے لیے جدید مسائل پر غور و فکر اور ان کے بارے میں حکم شرعی کی دریافت کی جو کوششیں ہوتی رہی ہیں ان میں مقاصدِ شریعت کو کیا مقام حاصل رہا ہے۔[۱] ایسی آراء کی نشان دہی کی جائے گی جو مقاصد شریعت کی روشنی میں اختیار کی گئی ہیں۔ ایسی مثالیں بھی دی جائیں گی کہ بعض مسائل پر فتویٰ دینے میں مقاصد شریعت کو کما حقہ سامنے نہ رکھنے سے کیا اثر پڑا ہے۔ اس سلسلہ میں بھی روشنی ڈالی جائے گی کہ جدید فقہی مسائل اور بدلے ہوئے حالات میں دعوت و اصلاح کے کاموں میں مقاصد شریعت کو رہنما بنانے سے اسلام اور مسلمانوں کو کیا فائدے پہنچ سکتے ہیں۔ اسی ضمن میں یہ بھی بتایا جائے گا کہ اس عمل میں کامیابی کے لیے عام مسلمانوں، علماء شریعت اور جدید علوم کے مسلمان ماہرین کو کیا کرنا ہوگا۔ اس اندیشہ کا بھی تجزیہ کیا جائے گا کہ اس طرح انتشار پھیلے گا اور اجتہاد کے نام پر طرح طرح کی آراء اور متضاد طرز عمل نمودار ہوں گے۔ البتہ آخر الذکر تین نکات[۲] مقالہ کی پیش نظر قسط میں زیر بحث نہیں آسکیں گے، بلکہ ان پر آئندہ روشنی ڈالی جاسکے گی۔ مقالہ کی پیش نظر قسط اس بات کے لیے راہ ہموار کرے گی کہ ہم مقاصد شریعت کی روشنی میں حکم شرعی کی دریافت کا طریقہ و منہاج (Methodology) متعین کرسکیں۔

عالم اسلامی میں نئی فکری لہر

بیسویں صدی کی درمیانی دہائیوں میں بوجوہ مسلمانوں کے درمیان غور و فکر کا عمل بہت تیز ہوگیا اور ایسا ہونے میں بہت سے عوامل کو دخل تھا۔ بہت سے مسلمان ممالک جو مغربی سامراج کے زیرِ حکمرانی تھے، رفتہ رفتہ آزاد ہوتے گئے۔ یہ سلسلہ ۱۹۴۵ء میں انڈونیشیا سے شروع ہوا اور ۱۹۶۳ء میں

☆ وزیٹنگ پروفیسر، اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، اسلامی ترقیاتی بینک، پوسٹ بکس ۹۲۰۱، جدہ، سعودی عرب۔

الجزائر کی آزادی پر ختم ہوا۔ اس سے پہلے دو سو سال تک عالمِ اسلامی میں تجدید و احیاء اسلام کے لیے کام کرنے والی متعدد تحریکیں چل رہی تھیں۔ ساتھ ہی انقلابِ روس کے بعد سرمایہ داری اور اشتراکیت کے درمیان کش مکش نے اہلِ اسلام کو للکارا تھا کہ وہ اپنے ثقافتی ورثہ کا جائزہ لیں۔ نو آزاد مسلم ممالک کے لیے نئے دستور بنانے اور سامراجی دور کے جملہ قوانین پر نظر ثانی کا مرحلہ در پیش تھا۔ اقلیتی مسلم معاشروں سمیت ہر جگہ نئے سوالات اٹھائے جارہے تھے جن کا تعلق معاملات، علاج معالجہ، دور دراز علاقوں میں سفر وغیرہ سے ہوتا اور مفتیان کرام کو ان کے جواب ڈھونڈھے نہ ملتے تو کتابوں سے ہٹ کر سوچنا پڑتا۔ ادھر اسلامی تحریکوں کو بھی بالکل نئے حالات سے سابقہ پڑا۔ مسلم اکثریتی علاقوں میں اب ان کا واسطہ غیر مسلم حکمرانوں سے نہیں بلکہ اسلام کے نام لیواؤں سے تھا جو اپنے عوام کی وفاداری حاصل کرنے کے لیے اسلام سے وابستگی کا دم بھرتے تھے، مگر ملکی نظام کو کم و بیش اُسی انداز پر چلاتے رہنا چاہتے تھے جو ان کے پرانے آقا انھیں سکھاگئے تھے۔ غیر مسلم اکثریت کے ممالک میں اسلامی تحریکوں کو اس بات کا احساس ہوا کہ انھوں نے برادران وطن سے اسلام کا تعارف کرانے کی بجائے ان سے کشمکش کا جو راستہ نوآبادیاتی حکمرانوں کی ریشہ دوانیوں کے نتیجہ میں اختیار کررکھا تھا وہ اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کے لیے خوش آئند نہیں ہے۔(۳)

غرض یہ کہ روز مرہ زندگی کے چھوٹے بڑے مسائل ہوں یا قومی اور بین الاقوامی سطح پر ابھرنے والے نئے مسائل، فقہی مشکلات ہوں یا دعوتی امنگیں، ہر طرف سے نئے غور و فکر کے مطالبے تھے۔ چنانچہ ہر سطح پر غور و فکر، بحث و مذاکرہ، کانفرنسوں، مراکز بحث و تحقیق کے قیام کا ایک سلسلہ چل پڑا جو ستّر اور اسّی کی دہائیوں میں اپنے عروج کو پہنچا جس کی بعض تفصیلات آئندہ پیش کی جائیں گی۔

عالمِ اسلامی کے مختلف علاقوں میں تدوین فقہ کی جو کوششیں ماضی میں ہوئیں ان کا محرک زیادہ تر یہ رہا کہ مملکت کے تمام حصوں میں ججوں اور عمّال حکومت کے سامنے ایک لکھا ہوا مجموعۂ قوانین آجائے جس سے نفاذِ قانون میں یکسانیت پیدا ہو۔ فتاویٰ تاتارخانی جو فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں چودہویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں ترتیب پایا(۴) اور فتاویٰ عالمگیری جو اورنگ زیب عالمگیر کے ایماء پر سترہویں صدی عیسوی میں تیار کیا گیا(۵) دونوں کا محرک یہی تھا۔ دونوں فقہ حنفی پر مبنی تھے۔ انیسویں صدی میں جب عثمانی خلافت کے زیرِ نگرانی مجلّہ احکام عدلیہ(۶) ترتیب پایا تو متعدد نئے مسائل سامنے آچکے تھے جن کا تعلق تجارت اور خارجی لین دین وغیرہ سے تھا، چنانچہ بعض مسائل میں عصری تقاضوں کے تحت دوسرے فقہی اسکولوں کی آراء اختیار کی گئیں، یہاں تک کہ مذاہب اربعہ کے باہر سے بھی رائے اختیار کی گئی۔ بقول عبد الوہاب خلّاف ’’مذاہبِ اربعہ کے دائرہ میں رہتے ہوئے

تقلیدِ محض کی رِیت میں پڑنے والی یہ پہلی دراڑ تھی"۔(۷) اس کے بعد مصر میں مجلّہ احکام عدلیہ کے نفاذ سے جن عملی دشواریوں کا سامنا ہوا ان کو دور کرنے کے لیے جو ترمیمات عمل میں لائی گئیں ان میں جملہ مذاہب فقہ، یہاں تک کہ منفرد فقہاء کی آراء سے بھی استفادہ کیا گیا، چنانچہ قانونی اصلاحات کے لیے جو کمیٹی مقرر کی گئی اسے ایسی آراء اختیار کرنے کی تاکید کی گئی جو "عوام الناس کے مصالح اور سماجی تبدیلیوں سے ہم آہنگ ہوں"۔(۸) اہم بات یہ ہے کہ بیسویں صدی کے نصف ثانی سے پہلے کی جانے والی ساری کوششیں تقلید مذاہب یا تقلید فقہاء کے دائرہ میں محصور رہیں۔ لیکن بیسویں صدی کے نصف آخر تک آتے آتے ایسے بہت سے مسائل سامنے آچکے تھے جن کے بارے میں قدیم فقہی لٹریچر میں کوئی رائے نہیں مل سکتی تھی، کیوں کہ وہ مسائل کبھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔

دستور سازی اور اسلامی قوانین کی تدوینِ جدید

بیسویں صدی کے وسط سے ہی متعدد اسلامی ممالک میں آزادی کے بعد دستور سازی کا کام شروع ہوچکا تھا۔ عرب ممالک کی نئی دستور سازی میں ڈاکٹر عبد الرزاق سنہوری کا نام سب سے نمایاں ہے۔ سنہوری اپنے کام میں اسلام کے فقہی سرمایہ کو پوری طرح سامنے رکھتے تھے۔(۹)

پاکستان میں اسلامی دستور بنانے کے طویل عمل میں بہت سے علماء اور ماہرین قانون نے حصہ لیا۔ ابتدائی دنوں، یعنی ۵۰ کی دہائی میں سید سلیمان ندوی، مفتی محمد شفیع، ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور محمد اسد نے پاکستان کی دستوریہ کی "مجلس تعلیمات اسلام" کے زیرِ اہتمام کام کیا تھا۔ اس دور میں ان علماء کے نتائج فکر کا مطالعہ متعلقہ علمی مآخذ کی مدد سے کیا جا سکتا ہے۔(۱۰) ۱۹۷۳ء میں نئے دستور کے نفاذ کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا اور ۱۹۷۷ء کے فوجی انقلاب کے بعد اس کی رفتار اور تیز ہوگئی۔ چنانچہ دستور پاکستان کے مطابق قائم کی جانے والی "اسلامی نظریاتی کونسل" نے اسلامی قوانین کی تدوین جدید سے متعلق ایک وسیع لٹریچر تیار کیا۔ اجتہادی فکر کا سلسلہ اب بھی جاری ہے ۔

علمی کانفرنسیں، بحث وتحقیق کے ادارے اور مجالس فقہیہ

اس دور میں بہت سی علمی کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔ یہاں ہم ان کانفرنسوں کا ذکر کریں گے جن کا موضوع اسلامی فقہ اور نئے مسائل میں اجتہاد سے تھا۔

۱۹۳۸ء میں یورپ کے شہر لاہائے میں قانون مقارن Comparative law کی عالمی کانفرنس میں اسلامی قانون کے موضوع پر بھی مقالے پیش کیے گئے۔

۱۹۵۱ء میں پیرس میں ''فقہ اسلامی کا ہفتہ'' منایا گیا جس کی رُوداد علیحدہ سے چھپ چکی ہے۔[۱۱]
۱۹۶۱ء میں جامعۃ الازھر، قاھرہ میں ''مؤتمر مجمع البحوث الإسلامیۃ'' منعقد ہوئی۔

اس سے قریب کی تاریخوں میں لیبیا میں بھی اس قسم کی ایک کانفرنس یونیورسٹی کی دعوت پر منعقد ہوئی۔

۱۹۷۶ء میں جامعۃ الامام سعود ، ریاض کی دعوت پر فقہ کی عالمی کانفرنس منعقد ہوئی۔

۱۹۹۲ء میں فرانس میں Muslims in the west کے عنوان سے ایک فقہی سمینار منعقد ہوا۔

ان کانفرنسوں کے نتیجہ میں بعض علمی مراکز کا قیام عمل میں آیا جو آج بھی کام کر رہے ہیں۔

- ☆ مجمع البحوث الاسلامیہ ، جامعۃ الازھر ، قاھرہ، تأسیس ۱۹۶۱ء
- ☆ اِسلامی نظریاتی کونسل ، حکومت پاکستان، اسلام آباد، تأسیس ۱۹۶۲ء
- ☆ المجمع الفقہی الاسلامی، رابطۃ العالم الاسلامی، مکہ مکرمہ، تأسیس ۱۹۷۸ء
- ☆ مجمع الفقہ الاسلامی، منظمہ المؤتمر الاسلامی ، جدہ، تأسیس ۱۹۸۴ء
- ☆ اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) ، دہلی ، تأسیس ۱۹۸۷ ء

ان تمام مجامع اور مراکز کی قرار دادیں اور بحث و مذاکرہ کی رو دادیں مطبوعہ شکل میں موجود ہیں۔

ستّر کی دہائی سے اسلامی مالیاتی اداروں......بنک،انشورنس کمپنی، انوسٹمنٹ کمپنی وغیرہ...... کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا جو آج بھی جاری ہے۔ تقریباً ہر مالیاتی ادارہ نے ایک شریعہ ایڈوائزری بورڈ یا ھیئۃ الرقابۃ الشرعیہ قائم کر رکھی ہے جو علماء فقہ پر مشتمل ہوتی ہے، جو ماہرین بنک کاری اور علماء اقتصاد سے بھی مدد لیتے ہیں۔ جب سے حکومتوں نے اپنے مالیاتی نظام کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہے تب سے مرکزی سطح پر بھی ایسی مجالس قائم کی جاچکی ہیں، مثلاً ملیشیا اور انڈونیشیا میں مرکزی بنک کی ''فتویٰ کونسل''، سوڈان، بحرین وغیرہ میں مرکزی وزارت مالیات یا مرکزی بنک کے تحت کام کرنے والی فقہاء کی مجالس اس کی چند مثالیں ہیں۔ ان میں سے بعض مراکز اپنے فیصلے شائع بھی کرتے ہیں اور بعض سے متعلق تفصیلات ان اداروں کی ویب سائٹ پر موجود ہیں جن کا وہ جزء ہیں مثلاً بنک نگارا ملیشیا یا بحرین مانیٹری ایجنسی۔ بیسویں صدی کی آخری چند دہائیوں میں مسلمانانِ عالم کی علمی اور فکری سرگرمیاں قانون سازی، فقہی مسائل یا مالیاتی امور تک محدود نہیں رہیں۔ اقتصادیات، سیاسیات، علم النفس،

سوشیالوجی، فن تعلیم و تربیت، تاریخ، جغرافیہ، ادب، آرٹ، فن تعمیر، طب، غرض کہ علوم و فنون کی شاید کوئی شاخ ہو جس میں علاقائی اور عالمی سطح پر علماء اور ماہرین فن نہ جمع ہوئے ہوں۔ ایسی ہر کانفرنس میں چند باتیں مشترک تھیں۔

☆ ماضی کے اسلامی ورثہ پر فخر اور اس کے تحفظ اور دنیا کے سامنے پیش کرنے کا عزم۔

☆ عالمِ اسلامی کی یونیورسٹیوں اور بحث و تحقیق کے اداروں کے درمیان تعاون و اشتراک کے منصوبے، تاکہ اسلامی فکر کے جدید اظہار کو زیادہ سے زیادہ جامع اور مؤثر بنایا جاسکے۔

☆ ایک بہتر مستقبل کی تعمیر میں اپنے اپنے میدان میں اسلامی افکار و اقدار کی رہنمائی میں فعّال حصہ لینا۔

اس آخری بات کا 'مقاصد شریعت' سے ربط واضح ہے اور اکثر اوقات اس ربط کی صراحت کی جاتی رہی ہے۔ ہر میدان فکری سے اجتہاد پر زور دیا جاتا رہا ہے۔

تجدید و احیاء دین کی اسلامی تحریکوں نے بھی جب حالات کو بدلا ہوا پایا تو نئی سوچ کی ضرورت محسوس کی۔ ایسے حالات میں نقطہ ہائے نظر میں اختلافات قدرتی بات تھی۔ چنانچہ سیاست میں حصہ لینے، مسلم اکثریتی ممالک میں موقع ملنے پر حکومت میں شریک ہونے، حکمرانوں کی ستم رانیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے بوقت ضرورت قوت کے استعمال وغیرہ امور پر اسلامی تحریکی صفوں میں گرماگرم بحثیں جاری رہیں، جن کا اظہار بعض اوقات کتابوں اور مقالات کی صورت میں بھی ہوتا رہا۔ ہماری دلچسپی کی بات یہ ہے کہ ان میں سے تقریباً تمام تحریروں اور تقریروں میں مقاصدِ شریعت اور روح اسلام کا حوالہ دیا جاتا رہا۔

خلاصہ یہ کہ مقاصد شریعت، مصالح امّت، روح اسلام وغیرہ تصورات کا تعلق صر ف معروف ''فقہی'' مسائل سے نہیں، بلکہ مسلمانوں کے فکر و عمل کے ہر پہلو سے ہے۔ یہ بات اصولی طور پر قرآن و سنت کی روشنی میں ثابت ہے اور تجربی empirical سطح پر مسلمانان عالم کے گذشتہ نصف صدی کے عمل اور تعامل نے اسے عملی سطح پر بھی ثابت کردیا ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے اوپر کی باتوں کے خلاصہ کے طور پر یہ نوٹ کرلینا ضروری ہے کہ صدیاں تقلید میں گذارنے کے علی الرغم ''مقاصد شریعت'' کا تصوّر اور امورِ حیات میں اس کی طرف رجوع مسلمانوں کی ذہنی ساخت Psyche کا ایک لازمی جزء ہے۔ جدید فکری ہلچل نے اسے زیادہ ابھار دیا ہے۔ اس بات کا اطلاق صرف علماء اور فقہاء یا جدید علوم کے ماہرین اور دانشوروں پر نہیں ہوتا،

بلکہ سارے مسلمان عوام و خواص پر یہ بات منطبق ہوتی ہے، کیونکہ بدلے ہوئے حالات اور نت نئے مسائل اس شعور کو تازہ کرتے رہتے ہیں اور اس کی روشنی کی ضرورت محسوس کراتے رہتے ہیں۔

اس حقیقت کی روشنی میں اس بات کی ضرورت ہے کہ مقاصد شریعت کے تصور اور اس سے مستفید ہونے کے طریقہ کو گہرائی کے ساتھ سمجھا جائے اور جس حد تک ممکن ہو اس عمل کے آداب و ضوابط طے کیے جائیں۔

معاصر اسلامی فکر اور مقاصدِ شریعت: عملی مثالیں

مقاصد شریعت کو سمجھنے اور اس کی روشنی میں فیصلہ کرنے کے موضوع پر ہم گذشتہ نصف صدی کا جائزہ لیں گے، تاکہ ہمیں اندازہ ہو سکے کہ یہ موضوع کتنا اہم ہے اور ہم آئندہ اس کے بارے میں بہتر طور پر سوچ سکیں۔ ذیل میں تین طرح کی مثالیں دی جائیں گی۔

۱۔ ایسے مسائل جن میں سابقہ ''فتویٰ'' کے مقاصد شریعت سے مغایر ہونے کی وجہ سے رجوع کر لیا گیا اور ایک نئی رائے اختیار کرلی گئی۔ اس کی مثال کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت کا موضوع ہے۔

۲۔ ایسے مسائل جن میں زیادہ تر لوگوں کو پرانے فتاویٰ پر اصرار ہے، جبکہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اب یہ فتاویٰ مقاصد شریعت کے خادم نہیں رہے۔ صدقۂ فطر میں چند مقررہ اجناس دینے پر اصرار اور ہر حالت میں عورت کے سفر کے لیے محرم کی ہم راہی پر اصرار اس کی مثالیں ہیں۔

۳۔ ایسے مسائل جن میں بعض مجالس فقہ کے دیے ہوئے فتوے مقاصد شریعت کے منافی ہیں، جیسا کہ بعض علماء نے واضح کیا ہے۔ قطبین پر نماز روزے کے اوقات کی تعیین کا طریقہ اور اسلامی مالیاتی اداروں کا ''تورّق'' کے طریقہ پر عمل اس کی مثالیں ہیں۔

کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت:

مسلمان معاشروں میں جب کرنسی نوٹ کا رواج بڑھا تو غالبًا نوٹ پر لکھی عبارت کی روشنی میں یہ فتویٰ دیا گیا کہ کرنسی نوٹ ''مال نہیں محض سندِ مال ہے''۔[۱۲] جیسا کہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے ۱۹۸۹ء سمینار کی روداد پڑھنے والوں پر واضح ہوگا، اس رائے کو اختیار کرنے سے کرنسی نوٹ کی شکل میں موجود بچت پر زکوٰۃ کی فرضیت، کرنسی نوٹ کی شکل میں ادا کی جانے والی زکوٰۃ کی ادائیگی، نیز کرنسی نوٹ کی شکل میں ادھار دی جانے والی رقموں پر سود سے متعلق احکام کا اطلاق وغیرہ بہت سے مسائل پر اثر پڑتا ہے۔ ان نتائج کو بدیہی طور پر شریعت کے منشا اور مقصد کے خلاف پاکر علماء نے اپنی رائے بدل دی جیسا کہ ذیل کے اقتباسات سے ظاہر ہے:

''نوٹوں اور سکّوں کے مسئلہ میں بھی ضروری ہے کہ اسلام کے اس تصور عدل کو کلیدی اہمیت دی جائے اور فقہی جزئیات اور قدیم فقہاء کے اجتہادات کو ثانوی۔ اس لیے کہ فقہاء کی آراء اپنے عہد اور زمانہ کے اعتبار سے عین عادلانہ تھیں، مگر ضروری نہیں کہ بدلے ہوئے حالات میں بھی اقامت عدل کے لیے کفایت کرسکیں''(۱۳)

''کرنسی نوٹوں کا مسئلہ بھی حالات اور عرف و عادت سے بے نیاز نہیں رہ سکتا ہے اور سوسال پہلے جو حکم تھا ہر حال میں وہی باقی نہ رہے گا، بلکہ اس میں تبدیلی ہوگی''(۱۴)

''اگر نوٹوں میں تفاضل کو جائز قرار دیا گیا تو سود کا دروازہ چوپٹ کھل جائے گا اور وہ ساری بندشیں پامال ہو کر رہ جائیں گی جو سود پر باندھی گئی ہیں''۔(۱۵)

جیسا کہ درج ذیل اقتباس سے واضح ہے چونکہ کرنسی نوٹ کو ''سند'' کی جگہ ''ثمن'' قرار دینے کا فیصلہ کسی منطقی اساس پر نہیں، بلکہ مصالح کی روشنی میں کیا گیا ہے، اس لیے بعض علماء مخصوص حالات میں سابق رائے پر عمل کرنے کو ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ اُن حالات میں کرنسی نوٹ کو سند قرار دے کر عدل کے تقاضوں کو آسانی سے پورا کیا جاسکتا ہے:

''جہاں معاملہ ادھار اور مؤجّل ہو وہاں سند اور وثیقہ کی حیثیت کا لحاظ ہونا چاہیے، کیوں کہ ایک خاص مدّت کے بعد ان کی قدر و مالیت میں یقیناً قابل لحاظ تفاوت ہوجاتا ہے جو ضرر اور اتلاف حق کو مستلزم ہو جاتا ہے۔ بایں ہمہ اس کا لحاظ نہ رکھنا یقیناً اسلام کے قانون عدل سے میل نہیں کھاتا''(۱۶)

کسی زمانہ میں، کسی جگہ پر، وہاں کے حالات میں عدل کا تقاضا کیا ہے۔ اس کا جواب ہمیں نص میں نہیں مل سکتا، نہ قیاس کے ذریعہ اس کا جواب حاصل کیا جاسکتا ہے۔ بدلے ہوئے حالات میں عدل کے تقاضے کی تحدید ہماری عقل ہی کرسکتی ہے۔ البتہ دانش مندی کا تقاضا ہے کہ کسی ایک آدمی کی عقل پر بھروسہ کرنے کے بجائے بہت سے لوگوں کی رائے لی جائے، خاص طور پر ان لوگوں کی جو حالات سے مسلسل تعامل اور اپنے تجربہ کی بنیاد پر رائے دینے کے زیادہ اہل ہوں۔ جیسا کہ ہم آئندہ واضح کریں گے، ایسے معاملات کو اجتماعی اجتہاد اور باہمی مشاورت کے ذریعہ طے پانا چاہیے۔

عورت کا بغیر محرم کے سفر کرنا

علامہ یوسف قرضاوی اپنی کتاب **کیف نتعامل مع السنة النبویه: معالم و ضوابط** (مطبوعہ ریاض، مکتبۃ المؤید، ۱۹۹۱ء) میں ''**فهم الأحادیث فی ضوء أسبابها وملابساتها ومقاصدها**'' (احادیث

کو ان حالات اور اسباب کی روشنی میں سمجھنے کی ضرورت جن کے بارے میں وہ آئی ہیں، نیز ان کے مقاصد کو سامنے رکھنے کی ضرورت) کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''اسی قبیل کی بات وہ ہے جو بخاری اور مسلم کی روایت کردہ مرفوع حدیث میں ابن عباسؓ اور دوسرے لوگوں کے حوالہ سے آئی ہے کہ (نبی ﷺ نے فرمایا) ''عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے'' اس پابندی کی وجہ یہ ڈر ہے کہ اگر عورت اپنے شوہر یا کسی قریبی رشتہ دار کے بغیر اس زمانہ میں سفر کرتی جب اونٹ یا خچر پر بیٹھ کر مسافت طے کی جاتی تھی اور اس حال میں وہ ایسے دشت وصحرا سے گذرتی جس میں نہ آدمی نہ آدم زاد، تو ایسے سفر میں اگر عورت کو کوئی واقعی گزند نہ بھی پہنچتا تو بھی لوگ اسے شبہ کی نظر سے دیکھتے۔ لیکن اگر حالات بدل جائیں، جیسا کہ ہمارے زمانہ میں واقعتاً بدل چکے ہیں اور سفر، مثال کے طور پر ہوائی جہاز میں بیٹھ کر ہو جس میں سو یا زیادہ مسافر بیٹھے ہوں، یا ریل گاڑی سے ہو جس میں سینکڑوں لوگ ساتھ ہوں اور عورت کے اس طرح اکیلے سفر کرنے میں کوئی خطرہ باقی نہ رہے تو شرعاً اس کے ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں، نہ اس کا ایسا کرنا حدیث کے خلاف عمل شمار ہوگا''(۱۷)

صدقۂ فطر کی نقد کی شکل میں ادائیگی

علامہ یوسف قرضاوی اپنی محولہ بالا کتاب میں لکھتے ہیں:

سنت کے الفاظ کی پابندی بعض اوقات سنّت کی روح اور اس کے مقصد کی پابندی کے بجائے اس کے منافی ہوتی ہے، باوجود ظاہراً اس کے مطابق عمل کے، اس کی ایک مثال بعض لوگوں کا اس پر شدید اصرار ہے کہ صدقۂ فطر نقد کی صورت میں نہ ادا کیا جائے، جب کہ ایسا کرنے کی اجازت ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب دیتے ہیں اور اس کی اجازت عمر بن عبد العزیزؒ اور بعض دوسرے فقہاء کے یہاں ملتی ہے۔

شدّت اختیار کرنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے بعض متعین اجناس کا نام لیا تھا: کھجور، منقّی، گیہوں اور جو۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں چاہیے کہ وہی کریں جو آپؐ نے کرنے کو کہا ہے اور اپنی رائے سے سنت کی مخالفت نہ کریں۔ ہمارے یہ بھائی لوگ اگر غور فرمائیں جیسا کہ انھیں کرنا چاہیے تو ان کی سمجھ میں آجائے گا کہ در حقیقت نبی ﷺ کی مخالفت وہ کر رہے ہیں، اگرچہ وہ بظاہر ان کے حکم پر عمل پیرا ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے سنّت کے جسم کو پکڑ رکھا ہے اور اس کی روح کو بھلا دیا

ہے۔ رسول اللہﷺ نے تو زمانہ اور صورتِ حال کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے صدقۃ الفطر ایسی اجناس کی صورت میں عائد کی جو لوگوں کے پاس پائی جاتی تھیں۔ ان کی ادائیگی دینے والے کے لیے بھی آسان تھی اور لینے والوں کے لیے بھی مفید تھی۔ عربوں کے درمیان اور خاص طور پر دیہات والوں کے پاس نقد سکّوں کا رواج کم تھا۔ کھانے کی اجناس دینا ان کے لیے آسان تھا اور محتاجوں کو انہی چیزوں کی ضرورت تھی۔ اسی لیے صدقہ ان اجناس کی صورت میں دینے کا حکم دیا گیا جو آسانی سے میسّر تھیں۔ یہاں تک کہ آپ نے (صدقہ میں) پنیر دینے کی بھی اجازت دے دی (پنیر مکھن نکالے ہوئے دودھ کو سکھانے سے بنتی ہے) یہ اجازت ان لوگوں کی رعایت سے دی گئی تھی جن کو اس میں آسانی تھی، مثلاً دیہاتوں میں اونٹ، بھیڑ بکری اور گائے چرانے والے۔ جب صورت حال بدل جائے، نقد آسانی سے میسر ہو اور اجناس مذکورہ اتنی آسانی سے نہ دستیاب ہوں، یا فقیروں کو عید میں جنس کی ضرورت نہ ہو، بلکہ وہ اپنے اور اہل و عیال کے لیے دوسری چیزوں کے محتاج ہوں تو نقد کی صورت میں صدقہ دینا دینے والے کے لیے بھی زیادہ آسان ہے اور لینے والے کے لیے بھی زیادہ مفید ۔ یہی طریقہ نبیﷺ کی ہدایت اور ان کے مقصود کے مطابق قرار پائے گا۔(۱۸)

قطبین کے علاقوں (Polar regions) میں نماز روزہ کے اوقات

مجمع فقہی، رابطۂ عالم اسلامی، مکّہ مکرّمہ نے اس مسئلہ کے بارے میں ایک قرار داد پاس کی ہے۔ تمہید کے بعد قرار داد کی عبارت درج ذیل ہے:

> ''جو کوئی ایسے ملکوں میں رہتا ہو جن میں رات اور دن میں فرق طلوع فجر اور غروب آفتاب کی بنا پر واضح ہو مگر ان کے دن گرمی میں بہت لمبے اور جاڑے میں چھوٹے ہوتے ہوں، ایسے آدمی پر فرض ہے کہ پانچوں اوقات کی نمازیں ان کے شرعی طور پر معروف اوقات میں ادا کرے۔''

اس کے بعد سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۷۸ اور سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۰۳ نقل کی گئی ہیں جن کے ترجمے درج ذیل ہیں:

> (اے محمدؐ) سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک (ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی) نمازیں اور صبح کو قرآن پڑھا کرو۔ کیونکہ صبح کے وقت قرآن کا پڑھنا موجب حضور

(ملائکہ) ہے۔[۱۹]

''...... بے شک نماز فرض ہے مسلمانوں پر اپنے مقررہ وقتوں میں''[۲۰]

ان آیات کے بعد چند احادیث نقل کی گئی ہیں، جن کے ترجمے درج ذیل ہیں:

''حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے کہ ایک آدمی نے آپ سے نماز کا وقت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: ''یہ دو، ہمارے ساتھ نماز پڑھو' مراد تھی دو دن۔ جب سورج ڈھل گیا تو آپ نے بلالؓ سے کہا: انھوں نے اذان دی، پھر ان کو کہا تو انھوں نے ظہر کی اقامت کہی۔ اس کے بعد ان سے پھر کہا تو انھوں نے عصر کے لیے اقامت کہی، پھر سورج ڈوب گیا تو آپ کے کہنے پر انھوں نے مغرب کی اقامت کہی۔ شفق ڈوب جانے کے بعد آپ کے حکم سے انھوں نے عشاء کی اقامت کہی۔ اس کے بعد آپ کے حکم فرمانے پر فجر طلوع ہوتے ہی نماز فجر کی اقامت کہی، پھر دوسرا دن شروع ہوا تو آپ کے کہنے کے مطابق انھوں نے ٹھنڈا ہو جانے پر ظہر کی نماز کے لیے اقامت کہی اور ٹھنڈے وقت (میں پڑھنے) کو نعمت قرار دیا۔ آپ نے عصر ایسے وقت میں پڑھی کہ سورج کا آخری حصہ (اُفق سے) تھوڑا ہی اوپر تھا اور مغرب بھی دیر کر کے شفق غائب ہونے پر پڑھی ، نیز عشاء کی نماز تہائی رات گذرنے کے بعد اور فجر اجالا ہونے کے بعد پڑھی، پھر آپ نے پوچھا ''وہ صاحب کہاں ہیں جنھوں نے نماز کے اوقات دریافت کیے تھے؟'' تو وہ صاحب بولے: وہ میں ہوں یا رسول اللہ، تو آپ نے فرمایا: تمھاری نمازوں کا وقت ان (اوقات) کے درمیان میں ہے جو تم نے دیکھے۔'' یہ روایت مسلم کی ہے۔

''حضرت عمرو بن العاصؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ظہر کا وقت زوال آفتاب سے (شروع ہوتا) ہے جب آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو، اس وقت تک جب تک عصر کا وقت نہ آجائے اور عصر کا وقت اس وقت تک ہے جب تک دھوپ پیلی نہ پڑجائے، مغرب کا وقت شفق غائب ہونے تک ہے اور عشاء کا وقت بیچ رات تک ہے، فجر کا وقت طلوع فجر سے سورج نکلنے تک ہے۔ جب سورج نکل آئے تو نماز نہ پڑھو، کیوں کہ سورج شیطان کے دوسینگوں کے درمیان نکلتا ہے۔''

یہ حدیث مسلم نے اپنی صحیح میں لکھی ہے ۔

''اس کے علاوہ بھی حدیثیں ہیں جو اوقات نماز کی تحدید کے بارے میں آئی ہیں، زبانی بیان کے انداز میں اور عملی طور پر۔ ان حدیثوں نے دن کے لمبے یا چھوٹے ہونے کے

درمیان فرق نہیں کیا، نہ رات چھوٹی بڑی ہونے کے درمیان تفریق برتی، جب تک کہ نمازوں کے اوقات کو رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ علامات کی بنیاد پر ایک دوسرے سے الگ الگ کر کے دیکھا جا سکے۔''

اس عبارت کے بعد روزے کے احکام ہیں، کہ جب تک دن اور رات میں فرق ممکن ہو، دن کے چھوٹے یا بڑے ہونے کا لحاظ کیے بغیر دن بھر کا روزہ رکھنا ہوگا، البتہ ناقابل برداشت حالات میں افراد استثنائی احکام اختیار کرسکتے ہیں۔

اس مجلس کے ایک رکن شیخ مصطفیٰ زرقاء (وفات ۱۹۹۹ء) نے اس فتویٰ سے اختلاف کرتے ہوئے یہ لکھا ہے:

''اس موضوع پر میری رائے اس قرار داد کے خلاف تھی، کیوں کہ جن ملکوں میں دن اور رات کا مذکورہ بالا فرق واضح ہوتا ہے ان میں اس فرق کی مدت کبھی کبھی آدھا گھنٹہ یا ایک گھنٹہ کے بقدر ہی ہوتی ہے۔ یعنی رات ۲۳ گھنٹے کی اور دن صرف گھنٹہ بھر کا۔ جاڑے میں ایسا اور گرمی میں اس کے برعکس۔ جس حدیث کی بنیاد پر یہ قرار داد پاس کی گئی ہے اس کے بارے میں میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس میں جزیرۃ العرب کے لوگوں کو سامنے رکھا گیا ہے۔ حدیث میں اس امر کی طرف کوئی اشارہ نہیں کہ دور دراز کے شمالی جنوبی علاقوں میں دن اور رات کے اوقات میں جو زبردست فرق پایا جاتا ہے وہ ناقابلِ اعتبار ہے۔ ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم یہ سمجھیں کہ اس حدیث میں ایسے علاقوں کے بارے میں حکم نہیں دیا گیا ہے، ایسی صورت میں ضروری ہے کہ ایسا حکم اختیار کیا جائے جو مقاصدِ شریعت سے مناسبت رکھتا ہو۔ دن اور رات کے درمیان فرق واضح ہونے کی جس عمومی بنیاد پر یہ قرار داد مبنی ہے، جس میں اس زبردست فرق کو نظر انداز کردیا گیا ہے جو دن اور رات کی مدّتوں کے مابین پایا جاتا ہے، مقاصد شریعت کے بالکل منافی ہے اور اس قاعدہ کے بھی خلاف ہے کہ حرج دور کیاجانا ضروری ہے''۔

''یہ بات کسی طرح معقول نہیں کہ دن یا رات کی ساری نمازوں کو، مثال کے طور پر، آدھے گھنٹے کے اندر اندر پڑھ لیا جائے نہ یہ معقول ہے کہ ایک گھنٹہ کا روزہ رکھا جائے اور ۲۳ گھنٹے کھانے پینے کی اجازت ہو، یا اس کے برعکس۔''(۲۱)

ہمارے لیے ضروری نہیں کہ شیخ مصطفیٰ زرقاء کے تجویز کردہ حل کو بھی نقل کریں، یا اس پر بحث

کریں۔ ہمارا مقصد اس مخصوص مسئلہ کی تنقیح نہیں، بلکہ یہ بتانا ہے کہ بعض اوقات بڑی پختہ دلیلوں پر مبنی فیصلے، جن کو وقت کے بعض ممتاز علماء اور فقہاء کی تائید حاصل ہو، مقاصد شریعت سے مغائر ہو سکتے ہیں۔ ہمارے سوچنے کا مدار یہ نہیں ہونا چاہیے کہ فتویٰ کس نے دیا ہے، بلکہ یہ ہونا چاہیے کہ فتویٰ مقاصد شریعت سے ہم آہنگ ہے کہ نہیں۔

طویل المیعاد ٹھیکوں میں ادائیگیاں

اس شبہ کو رفع کرنے کے لیے کہ مذکورہ بالا فقہی مجلس مقاصد شریعت کی روشنی میں سوچنے کی جگہ ہمیشہ ہر حال میں نصوص سے استدلال اور قیاس پر ہی تکیہ کرتی ہوگی ہم اسی مجلس کی ایک اور قرار داد کی آخری سطریں نقل کریں گے۔(۲۲) اس قرار داد کا تعلق کاروباری ٹھیکوں اور معاہدوں کے ضمن میں عائد ہونے والی ذمہ داریوں اور ان سے متعلق حقوق پر، حالات میں واقع ہونے والی غیر متوقع تبدیلیوں سے ہے۔ ایسی صورت حال ان کاموں کے سلسلہ میں پیش آتی ہے جن کی تکمیل کے لیے لمبی مدت درکار ہوتی ہے، جیسے کسی بہت بڑی بلڈنگ کی تعمیر کا ٹھیکہ، یا کسی ہسپتال وغیرہ میں بعض اشیاء استعمال کی مسلسل فراہمی کا ٹھیکہ وغیرہ۔ پورے کام کا معاوضہ ابتدا ہی میں طے ہوجاتا ہے، جب کہ متعلقہ اشیاء یا خام مواد کی قیمتوں اور مزدوریوں میں وقت کے ساتھ غیر معمولی اتار چڑھاؤ واقع ہوسکتا ہے۔ مجلس نے ایسی صورت میں معاہدہ میں عدالت کے توسط سے ایسی تبدیلیوں کی اجازت دی ہے جو فریقین کے درمیان عدل و انصاف بحال کرسکیں۔ قرار داد کے پورے متن کا حوالۂ بالا کی مدد سے مطالعہ کیا جاسکتا ہے ۔ ہماری دلچسپی کا باعث یہ آخری فقرہ ہے۔

> ”مجلس فقہی اِس حل کو جو شریعت کے اصولوں کی مدد سے نکالا گیا ہے، معاہدہ کے دونوں فریقوں کو اس انصاف کی ضمانت دینے والا سمجھتی ہے جو ہم پر فرض ہے۔ اس طرح کسی ایک فریق کو ایسے اسباب کی بنا پر، جن کے پائے جانے میں اس کا کوئی دخل نہیں، ناقابل برداشت نقصان اٹھانے سے بچایا جاسکتا ہے۔ یہ حل حکمت سے لبریز شرعی فقہ کے مطابق اور شریعت کے قواعد اور مقاصد عامّہ نیز اس کے عدل سے قریب تر ہے۔“(۲۳)

قرار داد کے یہ الفاظ شاہد ہیں کہ اس مخصوص مسئلہ میں مجلس نے عدل و انصاف کی ضمانت دینے اور مقاصد شریعت کو ملحوظ رکھنے کا اہتمام کیا ہے، جس کے نتیجہ میں وہ ایک قابل قبول رائے تک پہنچی ہے، جب کہ اسی مجلس نے ایک دوسرے مسئلہ میں ایک ایسی رائے اختیار کی جو ، جیسا کہ شیخ مصطفیٰ زرقاء نے لکھا ہے، معقول اور قابل عمل نہیں معلوم ہوتی۔ ہم یہ بات اس لیے نوٹ کررہے ہیں کہ

نئے پیش آنے والے مسائل میں بار بار ایسی صورت حال کا سامنا ہوگا، ضروری ہے کہ اس میں سب کے لیے قابل قبول آراء تک پہنچنے کا کوئی طریقہ اختیار کیا جائے۔ ہمارے اختیار کا مدار فتویٰ دینے والے اشخاص پر نہیں، طریقہ (Process) پر ہونا چاہیے۔

تورّق

فقہی استدلال کے ذریعہ ''حکم شرعی'' کی دریافت کی ایک ایسی مثال، جو اپنے نتائج کی بنا پر ہمارے نزدیک مقاصدِ شریعت سے مغائر ہے، 'تورّق' کا وہ صیغہ ہے جو بعض اسلامی مالیاتی اداروں نے اختیار کر رکھا ہے۔ یہ طریقہ طلب گاروں کو نقد فراہم کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ نقد تمویل کا طلب گار کسی ایسے اسلامک بنک کے پاس جائے جو تورّق[۲۴] پر عمل پیرا ہو تو اس کی مشکل حل ہوسکتی ہے۔ وہ بنک کے توسّط سے کوئی چیز...... موٹر کار، یا پلاٹینم کی ایک مقدار...... ادھار خریدتا ہے۔ اس عمل کے نتیجہ میں وہ بنک کا، ایک متعین رقم (مثلاً ۵ لاکھ) کا دَین دار ہو جاتا ہے جو اسے طے شدہ مدّت میں ادا کرنا ہے۔ دوسرا عمل اس چیز کو بنک کے توسط سے نقد کے عوض، مثلاً چار لاکھ میں فروخت کرنا ہے۔ اس طرح وہ چیز اپنے مالک کے پاس واپس پہنچ جاتی ہے، نقد کے طلب گار کو نقد مل جاتا ہے، مگر وہ اس رقم سے زیاہ رقم کا مقروض ہو جاتا ہے جو اسے ملی ہے۔ بنک کے لیے یہ ایک نفع بخش کاروبار ہے کیوں کہ اسے تھوڑا نقد ادا کر کے ، کچھ عرصہ بعد، زیادہ نقد ملنے والا ہے۔

جو لوگ فقہی استدلال کی بنا پر 'تورّق' کے جواز کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ مذکورہ مثال میں دونوں عمل الگ الگ جائز ہیں، کسی چیز کو ادھار خریدنا اور اسی چیز کو نقد کے عوض فروخت کرنا۔ اگر پہلا معاملہ (Contract) دوسرے سے مشروط نہ ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ ان معاملات کو ناجائز قرار دیا جائے۔ اس فقہی استدلال کے جواب میں فقہی استدلال کی بنا پر تورّق کو ناجائز قرار دینے والے اسے ''عینہ''[۲۵] کے برعکس معاملہ قرار دیتے ہیں اور عینہ اور اس کے برعکس معاملہ دونوں حرام ہیں، چنانچہ شیخ مصطفیٰ زرقاء نے لکھا ہے کہ ''علماء نے صراحت کی ہے کہ حرمت کے معاملہ میں عینہ اور اس کا الٹا عمل دونوں برابر ہیں کیوں کہ احادیث میں یہی بتایا گیا ہے۔''[۲۶]

بہت سے نئے مسائل کی طرح 'تورّق' کے مسئلہ کے دو پہلو ہیں۔ جزئی (Micro) سطح پر فقہی استدلال کی روشنی میں جواز یا عدم جواز، اور کلّی (Macro) سطح پر اس سے حاصل ہونے والے مصالح اور اس سے پیدا ہونے والے مفاسد کا موازنہ۔ اس موضوع پر ابھی تک جو تحریریں سامنے آئی ہیں وہ زیادہ تر پہلی قسم کی ہیں۔ زیادہ تر بحثیں جزئی استدلال اور انفرادی سطح پر تجزیہ

وتحلیل (Micro analysis) تک محدود ہیں۔

اسلامی معاشیات پر اب تک کے لٹریچر میں سودی لین دین کے برے نتائج کے بیان میں چند اہم باتوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔

۱۔ سود پر قرض دینے کے رواج کے نتیجہ میں قرض پر مبنی سندات و تمسّکات کی مقدار بڑھتی جاتی ہے۔ معیشت میں حقیقی اشیاء اور خدمات (real goods and services) کی نسبت سے قرض پر مبنی کاغذات کے حجم کا بڑھتے رہنا بازار زر (money market) میں سٹہ بازی کا رجحان پیدا کرتا ہے۔ لوگوں کی محنت اور ذہانت اشیاء و خدمات کی پیداوار کے ذریعہ نفع کمانے کے بجائے مالیاتی بازار میں سٹہ بازی (Speculation) کے ذریعہ نفع کمانے میں صرف ہونے لگتی ہے۔

۲۔ جس معیشت میں زر کی مقدار قرض کی مقدار سے وابستہ ہو وہ عدم استقرار کا شکار رہتی ہے۔ جب بھی کوئی بینک ''قرض' دیتا ہے معیشت میں زر کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔ جیسے جیسے قرض کی مقدار بڑھتی ہے زر کی مقدار بھی بڑھتی ہے۔

۳۔ انسان کا ماحول صرف مرور زمانہ کی بنا پر نقد سرمایہ میں بڑھوتری کی ضمانت نہیں دیتا۔ نقد سرمایہ کو پیداوار (Production) اسی صورت میں بنایا جاسکتا ہے جب اس سے حقیقی اشیاء اور خدمات خریدی جائیں، وہ پیداواری عمل سے گذریں، پھر نتائج پیداوار کو نقد کے عوض فروخت کیا جائے۔ یہ عمل پر خطر ہے، ضروری نہیں کہ آخر میں جو نقد آیا وہ شروع میں لگائے ہوئے نقد سے زیادہ ہو۔ بنا بریں تھوڑا نقد دے کر کچھ مدت کے بعد زیادہ نقد کا مطالبہ یعنی سودی قرض عدل و انصاف کے خلاف ہے۔

۴۔ جس معاشرہ میں تھوڑا نقد دے کر زیادہ نقد لینے کا طریقہ عام طور پر رائج ہوتا ہے اس میں دولت اور آمدنی کی تقسیم دن بدن زیادہ ناہموار ہوتی جائے گی، یعنی عدم مساوات میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ یہ صورت حال معاشی توازن، سماجی ہم آہنگی اور امن و امان کے لیے خطرہ ہے۔

مذکورہ بالا لٹریچر میں اِن نکات کے علاوہ بھی نکات سامنے آئے ہیں جن کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔[۲۷] یہاں ہم اسی قدر پر اکتفار کریں گے۔ چونکہ ہمیں صرف اس بات پر زور دینا ہے کہ 'تورّق' کا چلن عام ہو تو وہی صورت حال پیدا ہوگی جو سودی قرض کے رواج سے پیدا ہوتی ہے جس کے مفاسد کا اسلامی معاشی لٹریچر نے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ سودی قرض اور 'تورّق' کے ذریعہ تمویل دونوں کا حاصل ایک ہے، کم نقد لے کر زیادہ نقد کا دَین دار یا مقروض ہوجانا۔ عملی زندگی میں نتائج کا

انحصار قرض کی سندات اور تمسّکات کے پھیلاؤ پر ہوگا، قطع نظر اس کے کہ یہ سندات اور تمسّکات براہ راست سودی قرض کے نتیجہ میں وجود میں آئے یا ادھار خرید اور نقد فروخت کے دو علیٰحدہ علیٰحدہ مگر بیک وقت عمل میں آنے والے اقدامات کے نتیجہ میں، دونوں صورتوں میں یہ بات مشترک ہے کہ جو سندِ قرض کسی معاملہ کے نتیجہ میں وجود میں آتی ہے اس کے مقابل حقیقی معیشت (real economy) میں کوئی سامان نہیں ہوتا (جیسا کہ ادھار مال فروخت کرنے یا مرابحہ کی صورت میں ہر قرض کے بالمقابل کوئی سامان ہوتا ہے)۔ یہی وجہ ہے کہ سندات قرض کی مقدار بڑھتی جاتی ہے اور اشیاء و خدمات کی مجموعی مقدار سے اس کا مضبوط رشتہ نہیں ہوتا۔ سندات قرض خواہ سودی قرض کے نتیجہ میں وجود میں آئیں یا تورّق کے عمل کے پہلے قدم کے نتیجے میں، مآلِ کار ایک ہی ہے۔ مصالح عامہ کا تقاضا ہے کہ ایسا نہ ہو۔ مقاصد شریعت کی روشنی میں یہ ضروری ہے کہ قمار کی قسم کی سٹہ بازی کے فروغ کا قلع قمع کیا جائے۔ معاشرہ میں دولت اور آمدنی کی تقسیم میں پائی جانے والی عدم مساوات کو بڑھنے سے روکا جائے اور سرمایہ داروں اور ان کا سرمایہ استعمال کرنے والوں کے درمیان معاملات کو عدل و انصاف کا پابند رکھا جائے۔[۴۸]

جو علماء 'تورّق' کے جواز کا فتویٰ دے کر اسلامی مالیات کے حلقہ میں اس کا فروغ کر رہے ہیں ان کو حسبِ ضرورت ماہرین اقتصادیات کے تعاون سے اس بات کا جائزہ لینا چاہیے کہ 'تورّق' کے پھیلاؤ کے نتیجہ میں اسلامی مالیاتی نظام بھی ان ہی نتائج کو سامنے لائے گا جو مروّجہ سودی نظام سامنے لارہا ہے۔ اگر وہ اس پر مطمئن ہوں تو انھیں جزئیات کی بنیاد پر جواز کا فتویٰ دینے کے بجائے کلیات اور مقاصد کی روشنی میں 'تورّق' کو ممنوع قرار دینا چاہیے۔

مقالہ نگار یہ سمجھتا ہے کہ جن علماء نے 'تورّق' کو جائز رکھا ہے ان کی نظر بعض انفرادی مشکلات پر ہے اور انھوں نے مسئلہ کے اس اجتماعی پہلو پر غور نہیں کیا ہے۔ چند سال قبل ایک ایسی فقہی مجلس میں حاضری کا موقع ملا جس کی صدارت سعودی عرب کے سابق مفتی شیخ بن باز رحمہ اللہ کر رہے تھے۔ شرکاء میں شیخ عبد اللہ بن عثیمین، شیخ بکر ابو زید، شیخ یوسف قرضاوی، شیخ صدیق الضریر وغیرہ اکابر علماء شامل تھے۔ مجلس میں 'تورّق' کا مسئلہ زیرِ بحث آیا۔ شیخ یوسف قرضاوی اور شیخ صدیق الضریر نے عدم جواز کے حق میں دلائل دیے اور آخر وقت تک اپنی رائے پر قائم رہے، مگر مجلس نے کثرت رائے سے جواز کا فتویٰ دیا۔ اس سے پہلے سعودی عرب کے ایک اہم سابق مفتی، شیخ ابراہیمؒ جواز کا فتویٰ دے چکے ہیں، اس کے حوالہ سے شیخ بن باز نے کہا کہ بعض اوقات کوئی بے چاری ماں اپنی بچی کے علاج یا شادی کے لیے نقد کی ضرورت مند ہوتی ہے اور ہمارے معاشرہ میں کوئی اس کی مدد کو

یا قرض حسن دینے کو آگے نہیں بڑھتا اس لیے 'تورّق' کی گنجائش باقی رکھنا ضروری ہے، تا کہ اسے ضرورت مند بنکوں سے سودی قرض لینے کے حرام کام سے بچاسکیں۔

اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ بعض اوقات ایسی ضرورت پیش آسکتی ہے جو نقد سے ہی پوری ہوسکتی ہے، یہ بھی صحیح ہے کہ موجودہ حالات میں کسی سے 'قرض حسن' ملنا دشوار ہوتا ہے۔ دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلامی مالیاتی ادارے جو نفع آور کاروبار کے طور پر قائم کیے جاتے ہیں اور جن کو اپنے بے شمار کھاتہ داروں کے مفاد میں کاروبار چلانا ہوتا ہے 'قرض حسن' دینے کی نہ تو اہلیت رکھتے ہیں نہ صلاحیت۔ بنابریں طلب گاروں کو بوقت ضرورت قرض حسن کی فراہمی ایک اہم اور فوری طور پر توجہ طلب مسئلہ ہے، جسے حل کیا جانا چاہیے۔ اس سلسلہ میں پہلے سے کچھ تجاویز موجود ہیں اور حال میں بھی نئی تجاویز پیش کی گئی ہیں۔[۲۹] اس مسئلہ پر غور و فکر کے بعد جلد کوئی عملی شکل اختیار کرلینی چاہیے۔

لیکن اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے ''تورّق'' کا دروازہ کھولنا درست نہیں۔ ہمیں اس بات سے بھی عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ 'تورّق' کتنی تیزی سے پھیلا ہے اور اس کے پھیلاؤ کا اثر دوسرے ''اسلامی'' طرق تمویل پر کیا پڑا ہے۔ اسلامی فقہ کا مسلّمہ اصول ہے کہ اجتماعی مصالح کو انفرادی مصالح پر ترجیح دی جائے گی۔ تورّق کا جواز بعض ضرورت مندوں کی مشکل حل کرکے انفرادی مصالح کا تحفظ کرسکتا ہے، مگر کلّی سطح پر وہ اسلامی معیشت کو سودی معیشت کی طرح کا بنا کر اُسی جیسی خرابیاں پیدا کرتا ہے۔

طریقۂ بحث (Methodology)

مقاصد شریعت کی روشنی میں حکم شرعی کی دریافت کا طریقہ معلوم کرنے میں ہمیں اس سے بڑی مدد ملے گی کہ اوپر دی ہوئی مثالوں[۳۰] کا تجزیہ کریں۔ دیکھنا یہ ہے کہ حکم شرعی تک کس طرح پہنچا گیا۔ ان مثالوں کے تجزیہ سے درج ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

- ☆ ایک رائے یا فتویٰ کو اس لیے ترک کیا گیا کہ اس پر عمل سے مقاصد شریعت مجروح ہو رہے تھے، خراب نتائج یا مفاسد پیدا ہورہے تھے۔
- ☆ ایک دوسری رائے یا فتویٰ کو اس لیے اختیار کیا گیا کہ وہ مقاصد شریعت کے مطابق نظر آئے، ان کے ذریعہ اہم مصالح حاصل ہوئے۔
- ☆ کسی رائے پر عمل کے نتیجہ میں مفاسد کا ظہور، یا شریعت کے منشاء کے خلاف نتائج کا سامنے

آنا، اس بات کی پہچان انسانی عقل و تجربہ نے کی۔

☆ یہ بات کہ نئی رائے یا فتویٰ مصالح کی تحصیل کر دے گا (یا کررہا ہے) اور مقاصد شریعت کا خادم ہے، انسانی عقل و تجربہ نے معلوم کی۔

☆ بعض حالات میں محسوس کیا گیا کہ پہلا حکم موجودہ حالات سے بالکل مختلف صورت حال کے لیے وضع کیا گیا تھا۔ (مثلاً عورت کے بغیر محرم سفر کرنے کا حکم یا شدید ضرورت میں نقد کو تورّق کے ذریعہ حاصل کرنے کی اجازت)۔

☆ بعض حالات میں یہ محسوس کیا گیا کہ پہلا حکم شارع نے اس مخصوص صورت حال کے لیے نہیں دیا تھا جو زیرِ غور ہے (مثلاً قطبین کی لمبی راتیں اور بہت چھوٹے دن، یا اس کے برعکس)۔

☆ مذکورہ بالا دونوں احساسات مشاہدہ و تجربہ اور عقل پر مبنی ہیں، نہ کہ نص یا قیاس پر۔

بعض مال داروں کے مال سے فقراء کا حق نہ نکلنا، کرنسی نوٹ کی شکل میں تھوڑا نقد دے کر بعد مدّت زیادہ نقد کا مطالبہ کرنا، تنہا سفر کے عملاً محفوظ و مامون ہونے کے باوجود عورت کو اس سے روک دینا، اہل حاجت کے لیے عید کے دن نقد کا جنس سے زیادہ مفید ہونے کے باوجود ایسا نہ ہونے دینا، کبھی گھنٹہ بھر میں چار نمازیں پڑھنا اور باقی ۲۳ گھنٹوں میں ایک نماز پڑھنا، معیشت میں قرض کی اسناد کی بہتات کا معیشت کے لیے مضر ہونا...... ان نتائج کے مقاصدِ شریعت کے خلاف ہونے کا فیصلہ ایک مرکب عمل ہے۔ اس میں قرآن و سنت سے مصالح معتبرہ کو سمجھنا بھی داخل ہے اور اس بات کی تحدید بھی کہ عالم واقعہ میں یہ مصالح مجروح ہو رہے ہیں۔

آئندہ مباحث میں ہم مقاصد شریعت کی روشنی میں حکم شرعی کی دریافت کا طریقہ (Methodology) متعین کرتے وقت اس تجزیہ کو سامنے رکھیں گے۔

ان نتائج پر کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ ایک دائمی شریعت زمان و مکان کی تبدیلیوں سے اسی طرح عہدہ برا ہوسکتی ہے۔ اوپر ہم نے جو مثالیں دی ہیں ان کا تعلق تازہ حالات سے ہے، لیکن اسلامی تاریخ میں ہمیشہ سے ایسا ہوتا آیا ہے۔ عہدِ نبوّت اور عہدِ صحابہؓ کے بعض نظایر کی طرف ہم پہلے اشارہ کرچکے ہیں۔[۳۱] یہاں ایک ایسی مثال دی جا رہی ہے جس کا تعلق دوسری تا چوتھی صدی ہجری سے ہے جب فقہ اسلامی کی تدوین عمل میں آ رہی تھی۔

تسعیر (اشیاء کی قیمتوں کی تعیین) کی مثال

ڈاکٹر عبد الحمید ابو سلیمان[۳۲] لکھتے ہیں کہ ''فقہاء کرام نے سنت نبویؐ کی واضح عبارتوں کے

باوجود تسعیر، یعنی قیمتوں کی تعیین (Price control) کے حق میں فتویٰ دیا، حالانکہ وہ ہمیشہ نص کی پابندی پر اصرار کرتے تھے اور سنت میں منقول واقعات کی بنا پر جزئی قیاس کے ذریعہ 'حکم' تک پہنچنا چاہتے تھے (ان کے اس طریقہ کو چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کرنے کا) سبب یہ تھا کہ اگر وہ قیمتوں کی تعیین کے حق میں فتویٰ نہ دیتے تو ظلم واقع ہوتا۔ انھوں نے قیمتیں مقرر کر دینے کے حق میں اس لیے فتویٰ دیا کہ اس کے بغیر بازار کے حالات پر قابو پانا ممکن نہیں تھا۔ اس کے بغیر سماجی نظم قائم رکھنا اور معیشت میں بحیثیت مجموعی توازن برقرار رکھنا ممکن نظر نہیں آیا۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ بازار کے معاملات اور قیمتوں کے اتار چڑھاؤ میں اربابِ اقتدار کی مداخلت کے بغیر توازن بحال کیا جا سکے۔ قیمتیں مقرر کیے بغیر معاشی ظلم کا سدِّ باب ممکن تھا نہ ضرورت مندوں کو ان لوگوں کے استحصال سے بچایا جاسکتا تھا جو اشیاء فروخت کیا کرتے تھے''۔[۳۳]

یہ بات کہ اشیاء کی قیمتیں نہ مقرر کی گئیں تو ظلم و استحصال عام ہو جائے گا اور قیام عدل جیسا اہم مقصدِ شریعت پامال ہو گا، عقل و تجربہ کی روشنی میں دریافت کی گئی۔ پچھلی مثالوں کی طرح یہ مثال بھی مقاصدِ شریعت کی روشنی میں حکمِ شرعی تک پہنچنے کے منہج (Methodology) کے بارے میں اہم رہنمائی کرتی ہے۔

ایک اہم سوال

اختلافِ نصوص قرآن و سنت کو سمجھنے میں بھی ہوتا رہا ہے اور نصوص کی بنیاد پر قیاس میں بھی۔ لیکن یہ خیال بے بنیاد نہیں کہ مقاصد شریعت کی روشنی میں حکم شرعی کی دریافت میں اختلاف کا امکان زیادہ ہے تو پھر یہ اختلاف کیسے دور ہو گا؟ کیا کسی ایک رائے تک پہنچنا ممکن ہو گا جس کی بنیاد پر کوئی اجتماعی فیصلہ کیا جا سکے؟ جہاں تک اجتماعی امور میں مقاصد شریعت کی روشنی میں حکم شرعی کی دریافت کا عمل 'شوریٰ' کا طالب ہو (بمصداق نص: اَمْرُهُمْ شُورىٰ بَيْنَهُمْ) موجودہ زمانہ میں شورائی عملی کی شکلیں کیا ہوں گی؟ کیا اس پورے عمل میں عدلیہ کا بھی حصہ ہو گا؟ اور اگر ہو گا تو کیا؟ آئندہ مباحث میں ہم ان امور پر غور کریں گے تاکہ بالآخر مقاصدِ شریعت کی روشنی میں حکم شرعی کی دریافت کے طریقہ Methodology کی تحدید کر سکیں۔

حواشی

۱۔ مقاصد شریعت سے کیا مراد ہے اور اس فہم اور عمل کی تاریخ جاننے کے لیے ملاحظہ ہو اس مقالہ نگار کا مضمون 'مقاصدِ شریعت: ایک عصری مطالعہ' فکرونظر، اسلام آباد، جلد ۴۱، شمارہ ۴، اپریل-جون ۲۰۰۴ء، ص:۳-۳۳۔ بحث

و نظر، دہلی، شمارہ :۶۷، اکتوبر-دسمبر ۲۰۰۴ء، ص:۱۴-۵۱۔ ترجمان دارالعلوم، نئی دہلی، جلد۱، شمارہ:۲، اکتوبر ۲۰۰۴ء، ص:۳۹-۴۹، جلد ۱، شمارہ: ۳، نومبر ۲۰۰۴ء، ص: ۱۳-۲۲، جلد ۱، شمارہ: ۴، دسمبر ۲۰۰۴ء، ص: ۱۱-۱۹۔

۲۔ دعوت اور بین الانسان تعلقات میں مقاصد شریعت کو رہ نما بنانا۔ عام مسلمانوں ، علماء اور ماہرین علوم جدیدہ کے کرنے کے کام۔ انتشار فکر و عمل سے بچنے کا اہتمام۔

۳۔ چراغِ راہ، کراچی، اسلامی قانون نمبر، حصہ اوّل، جلد ۱۶، شمارہ ۶، جون ۱۹۵۸ء، صفحہ ۴۱۱

۴۔ تاریخ تکمیل ۱۶۷۰ء، حوالۂ بالا، ص:۳۹۹

۵۔ ملاحظہ ہو حوالۂ بالا، ص:۴۱۴، تاریخ تکمیل مجلّہ ۱۸۷۷ء

۶۔ عبد الوہاب خلّاف، خلاصۃ تاریخ التشریع الإسلامی، کویت، دارالقلم، ۱۹۷۱ء، ص: ۱۰۳

۷۔ حوالہ بالا، ص: ۱۰۳-۱۰۴

۸۔ د- محمد عمارہ، السنہوری و احیاء علوم الشریعۃ الإسلامیۃ، المجتمع، کویت، عدد۱۳۶۹، ۲۸ ستمبر۱۹۹۹ء، ص:۴۲-۴۴ نیز ملاحظہ ہو عبد الرزاق احمد السنہوری: مصادر الحق فی الشرع الإسلامی، جلد۱، قاہرہ، ۱۹۵۴ء، جلد۲، قاھرہ، ۱۹۵۵ء اور مصطفیٰ احمد الزرقاء، المدخل الفقہی العام، جلد۱، ص: ۹-۳۰۸، دمشق ۱۹۹۸ء۔

۹۔ ملاحظہ ہو چراغ راہ، کراچی، اسلامی قانون نمبر، جلد۱۶، شمارہ ۶، جون ۱۹۵۸ء۔

۱۰۔ مصطفیٰ احمدالزرقاء، الفقہ الإسلامی و مدارسہ، ۱۹۹۵ء، دمشق، دارالقلم، ص:۱۱۵-۱۱۷

۱۱۔ یہ عبارت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی طرف منسوب ہے۔ ملاحظہ ہو اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے منعقد کردہ دوسرے فقہی سمینار، ۸-۱۱/دسمبر ۱۹۸۹ء کی روداد، مطبوعہ دہلی، تاریخ طبع درج نہیں، ص: ۹۹۔ یہ عبارت مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحی نے اپنے مقالہ ''کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت موجودہ دور میں'' میں کسی حوالہ کے بغیر نقل کی ہے۔ اسی مجموعہ کے صفحہ ۶۵ پر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے مقالہ میں بھی مولانا تھانوی کے اس موقف کا ذکر کرتے ہوئے امداد الفتاویٰ جلد ۶، صفحہ ۵ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ مفتی محمد شفیع صاحب کا بھی یہی فتویٰ تھا۔ صفحہ ۱۸۱ میں ایک دوسرے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ مولانا رشید احمد گنگوہی کا بھی یہی فتویٰ تھا، نیز بعض علمائے ازہر کی بھی یہی رائے ہے۔ امداد الفتاویٰ، مطبوعہ مطبع مجتبائی، دہلی، ۱۳۴۶ھ، جلد سوم، صفحہ ۳۲ پر ایک سوال کے جواب میں مولانا تھانوی نے لکھا ہے ''نوٹ کی حقیقت حوالہ ہے''۔

۱۲۔ قرارات مجلس المجمع الفقہی الإسلامی لرابطۃ العالم الإسلامی، ۱۹۸۵ء، مکہ مکرّمہ، شائع کردہ رابطہ عالمِ اسلامی، ص:۸۹-۹۱ نیز ملاحظہ ہو مجلۃ البحوث الإسلامیہ، مکہ مکرّمہ، ۱۴۰۹، ص:۱۱-۳۴، قرار داد کا مکمل متن اپنے اختلاف کے ساتھ شیخ مصطفیٰ زرقاء کے فتاوی میں ملاحظہ ہو۔ مرتبہ مجد احمد مکی، فتاوی مصطفیٰ احمد الزرقاء، ۱۹۹۹ء، دمشق، دارالقلم، ص:۱۱۰-۱۱۵

۱۳۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، بحوالۂ بالا، صفحہ ۱۴

۱۴۔ مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحی، بحوالۂ بالا، صفحہ ۹۹

۱۵۔ مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحی، بحوالہ بالا، صفحہ ۱۰۲

۱۶۔ مولانا زبیر احمد قاسمی، بحوالہ بالا، صفحہ ۱۲۰

۱۷۔ یوسف قرضاوی، حوالۂ بالا، صفحہ ۱۳۱

۱۸۔ یوسف قرضاوی، کیف نتعامل مع السنۃ النبویہ، ص ۱۳۸

۱۹۔ بنی اسرائیل: ۷۸

۲۰۔ النساء: ۱۰۳

۲۱۔ فتاویٰ مصطفیٰ احمد الزرقاء، ۱۹۹۹ء، ص: ۱۱۰-۱۱۵۔ یہ بات اہلِ علم سے مخفی نہ ہو گی کہ ڈاکٹر حمیداللہ صاحب بھی مذکورہ بالا فتویٰ سے مختلف رائے رکھتے تھے۔

۲۲۔ قرارات مجلس المجمع الفقہی الإسلامی لرابطۃ العالم الإسلامی، ۱۹۸۵ء، مکہ مکرّمہ، ص: ۹۹-۲۰۴

۲۳۔ حوالۂ بالا، صفحہ ۱۰۴، نیز ملاحظہ ہو اس قرارداد پر ڈاکٹر عبد الوہاب ابو سلیمان کا تبصرہ جو ان کی کتاب "**فقه الضرورة وتطبيقاته المعاصرة: آفاق وأبعاد** کے صفحات ۵۱۔۱۵۰ پر ہے۔ شائع کردہ اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، اسلامک ڈیولپمنٹ بنک، جدہ، ۱۹۹۵ء

۲۴۔ تورّق کے موضوع پر اردو میں کوئی تحریر میرے علم میں نہیں ہے۔ انگریزی میں انٹرنیٹ پر google کے ذریعہ تلاش سے کچھ مواد مل سکتا ہے۔ عربی میں ملاحظہ ہو:

- وزارت اوقاف، کویت سے شائع شدہ موسوعۃ الفقہ الإسلامی ،۱۹۸٦ء ، جلد۹، ص: ۴۸-۱۴۷۔
- مجموعہ دلّہ برکہ کی طرف سے منعقد ہونے والے 'ندوۃ البرکۃ' مطابق ۲۰۰۲ء میں اس موضوع پر متعدد مقالے پیش کیے گئے ، ان مقالہ نگاروں میں ڈاکٹر محمد علی القری اور محمد عبد الغفار شریف شامل ہیں۔
- جدّہ سے شائع ہونے والے رسالہ" الاسواق والاموال" کی جلد ۹ کے شمارہ ۹۱ اور ۹۴ میں جو ۲۰۰۲-۲۰۰۳ میں شائع ہوئے ہیں، اس موضوع پر ایک مذاکرہ کی روداد ہے۔ مذاکرہ میں حصہ لینے والوں میں عبد الرحیم ساعاتی، احمد محی الدین اور عمر حافظ وغیرہ شامل ہیں۔
- سامی بن ابراہیم السویلم نے اس موضوع پر دو مقالے لکھے ہیں، مگر یہ نہیں معلوم کہ کہیں شائع ہو چکے یا مصنف سے ہی مل سکیں گے ۔ مصنف اسلامک ڈیولپمنٹ بینک ، جدہ سے وابستہ ہیں، مقالات کے عنوان درج ذیل ہیں۔
- "التورّق والتورّق المنظّم-دراسۃ تأصیلیۃ" ، اگست ۲۰۰۳ء ،۔ یہ مقالہ رابطہ عالم اسلامی کے مجمع فقہی کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ مجمع نے اس موضوع پر کوئی قرار داد بھی پاس کی تھی۔
- "موقف السلف من التورّق المنظّم" ستمبر ۲۰۰۴ء
- محمد انس الزرقاء ، ملاحظات حول التورق المؤسّسی ، محمد علی القری ، ستمبر ۲۰۰۴ء ، بحرین ، مصنف سے طلب کیا جاسکتا ہے ۔
- عزالدین خوجہ، التورّق : **صار التمويل مخدوماً بدل ان يكون خادماً، ومتبوعاً بدل ان يكون تابعاً**. یہ مقالہ درج ذیل ویب سائٹ پر دیکھا جاسکتا ہے : www.islamicfi.com / arabic / research
- سعودی عالم شیخ عبد اللہ بن منیع اور خلیجی علاقہ کے شیخ نظام یعقوبی مروّجہ تورّق کی تصویب کرتے ہیں، مگر ان کی کوئی تحریر مقالہ نگار کے علم میں نہیں ہے۔
- شیخ مصطفیٰ زرقاء تورّق کے خلاف ہیں۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ مصطفیٰ زرقاء ، ص:۴۹٦۔

۲۵۔ عینہ میں قرض دینے والا کسی چیز کو قرض لینے والے سے نقد خرید کر اسی کے ہاتھ ادھار فروخت کردیتا ہے۔ دیا جانے والا نقد آئندہ ملنے والے نقد سے کم ہوتا ہے۔ عینہ کے نتیجہ میں تھوڑے نقد کے عوض ایک مدت کے بعد زیادہ نقد دینے کا عہد باقی رہتا ہے۔ تورّق کا مآل بھی یہی ہے، مگر اس کی ابتداء قرض لینے والے کی طرف

سے ہوتی ہے۔ فنی تعریف اور فقہی حکم کے لیے ملاحظہ ہو : وزارت اوقاف کویت کی شائع کردہ موسوعۃ الفقہ الإ سلامی ، جلد۱۴، ص:۱۴۸-۱۴۷۔

۲۶۔ مجد احمد مکی (مرتب) فتاوی مصطفیٰ احمد الزرقاء ، دمشق ، دار القلم ۱۹۹۹ء صفحہ ۴۹۶ ۔ نیز ملاحظہ ہو قرارات الھیئۃ الشرعیہ لشرکۃ الراجحی المصر فیہ للاستثمار، تقدیم صاحب الفضیلۃ الشیخ عبد اللہ بن عبد العزیز بن عقیل، جلد ا، صفحہ ۲۲۹، مطبوعہ ریاض ۱۹۹۸ء

۲۷۔ مذکورہ بالا تین اہم نکات اور مزید باتوں کے لیے ملاحظہ ہو:

- محسن خان اور عباس میر اخور Theoritical studies in Islamic Banking and Finance. Houstan, texas. The Institute for Research in Islamic studies 1987.
- وقار مسعود خاں Towards an Interest Free Islamic Economic system Leicester, The Islamic Foundation 1985.
- انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک بینکنگ ، فنانس اینڈ انشورنس کی تیارہ کردہ ’’انسائیکلو پیڈیا آف اسلامک بینکنگ اینڈ فنانس‘‘ جو ۱۹۹۵ء میں لندن سے شائع ہوئی۔ اس میں صفحہ ۴۱-۴۲ پر عباس میر ا خور اور ۵۰-۶۶ پر محسن خان کی تحریریں ملاحظہ ہوں۔
- محمد نجات اللہ صدیقی Issues in Islamic Banking Leicester, U.K. The Islamic foundtion 1983.
- محمد نجات اللہ صدیقی Riba, Bank Interest and Rationale of its Prohibition, Jeddah, 2004, IRTI., IDB.

۲۸۔ قرآن کریم کی درج ذیل تین آیات میں مذکورہ بالا تینوں مقاصد کا بیان آیا ہے: سورۂ مائدہ، آیت :۹۰، جس میں قمار یعنی جوئے سے روکا گیا ہے:

یٰٓاَ یُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِن عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ.

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو، امید ہے تمھیں فلاح نصیب ہوگی۔)

سورہ حشرآیت ۷ جس میں دولت کو امیروں کے درمیان چکّر کرتے رہنے سے روکا گیا ہے:

مَآ اَفَاءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبیٰ وَالْیَتمیٰ وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ کَی لاَ یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَاءِ مِنْکُمْ .

(جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ بستیوں کے لوگوں سے اپنے رسولؐ کی طرف پلٹادے وہ اللہ اور رسول اور رشتہ داروں اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کے لیے ہے ، تاکہ وہ تمھارے مال داروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔)

سورۂ بقرہ آیات۲۷۵-۲۸۰ خصوصاً ۲۷۸-۲۷۹ جس میں قرض پر اضافہ سے روکا گیا ہے :

یٰٓاَ یُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوااللّٰہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ. فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَاْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُ وْسُ اَمْوَالِکُمْ لَاتَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ.

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمھارا سود لوگوں پر رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر واقعی تم

ایمان لائے ہو۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہوجاؤ کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے تمھارے خلاف اعلانِ جنگ ہے ۔ اب بھی توبہ کرلو (اور سود چھوڑدو) تو اپنا اصل سرمایہ لینے کے تم حق دار ہو۔ نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے)

۲۹۔ محمد علی القری The Qurd Hasan Bank (mimeo) ، غیر مطبوعہ، مصنف سے بھیجنے کی درخواست کی جاسکتی ہے۔

- محمد انس الزرقاء، 'بعض تحديات الفتوى والعداله فی المصارف الإسلامية والاستجابات المقترحة– یہ مقالہ عمان میں منعقدہ ایک ملتقی ستمبر ۲۰۰۴ء میں پیش کیا گیا ۔ مصنف سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

- محمد نجات اللہ صدیقی Issues in Islamic Banking, Leicester, The Islamic Foundtion 1985, pp61-64

۳۰۔ (۱) کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت (۲) عورت کا بغیر محرم کے سفر کرنا۔
(۳) صدقۂ فطر نقد کی صورت میں ادا کرنا (۴) قطبین کے علاقہ میں نماز روزہ (۵) طویل المیعاد ٹھیکوں میں ادائیگیاں اور (۶) تورّق ۔

۳۱۔ مقاصد شریعت : ایک عصری مطالعہ، فکرو نظر، اسلام آباد، اپریل-جون، ۲۰۰۴ء، ص: ۲۳-۲۵، بحث و نظر، دہلی، اکتوبر-دسمبر، ۲۰۰۴ء، ص: ۴۳-۴۰، ص: ۱۱-۱۹، نیز ترجمان دارالعلوم، دہلی، دسمبر ۲۰۰۴ء، ص: ۱۱-۱۹

۳۲۔ عبد الحمید ابو سلیمان: ازمة العقل المسلم ۔ ۱۹۹۱ء، ہیرندان، ورجینیا، المعهد العالمی للفکر الاسلامی، ص:۸۰۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ IOS دہلی سے شائع ہوچکا ہے۔

۳۳۔ مسئلہ کی مزید تنقیح کے لیے ملاحظہ ہو مقالہ نگار کی تصنیف 'اسلام کا نظریۂ ملکیت' جو دہلی اور لاہور دونوں جگہوں سے چھپ چکی ہے۔ یہ بحث بارھویں باب میں پائی جاتی ہے۔ دہلی، مرکزی مکتبہ اسلامی ۱۹۷۴ء، ص:۴۸۲-۵۰۸، لاہور اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۷۷ء ، جلد۲، ص: ۱۸۲-۲۰۸۔